(غلام گردش)

فکری تبدیلی

وہی نیم شب میں سوالات کی بارش۔ اکثر جوابات کا موجود نہ ہونا۔ ملک کے حالات دیکھیے تو ہول آتا ہے۔ نہ دیکھیے تو تشنۂ طلب مایوسی۔ کاغذ کے اخبار میں کچھ بھی ایسا درج نہیں ہوتا جو توجہ کے شاہسوار کو اپنی طرف مبذول کروائے۔ وہی بوسیدگی، نعرے اور روایتی ردی قسم کے اعلانات۔ نتیجہ سب کے سامنے۔ مگر ماننے سے ہر کوئی منکر۔ ایک ناکام ریاست کے خدوخال، ستر برس پرانی ریت سے باہر نکل کر رقصاں ہیں۔ اور ہم، غفلت کے خواب میں آنکھیں کھول کر سوئے ہوئے لوگ۔ وہی سرسید احمد خان کی انقلابی پکار، کہ اے میری مسلمان قوم، نئے علوم کو حاصل کرنا گناہ نہیں۔ جدت سے لاعلمی، جہالت کو جنم دیتی ہے۔ عقیدت کے خوفناک بتوں کو توڑو اور اپنے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ زندہ رہو۔ مگر کچھ نہ ہوسکا۔ ملک تو بن گیا مگر سوچ نہ بدل پائی۔ قیامت یہ کہ قدامت پسندی اور روایات کو ریاست نے فروغ دینا شروع کردیا۔ معاشرے میں نئی بات سوچنے اور کہنے پر اَن دیکھی پابندی لگ گئی۔ وہی گروہ، جو ہمارے ذہنوں پر قفل لگا چکا تھا۔ نئی آن بان سے، مقدس لباس پہنے پھر سے ذہن پر قابض ہوگیا۔ سرسید، قائد اور اقبال جس فکر کے مخالف تھے، اب پھر وہی ہماری پہچان بن گئی۔

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیان سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زبان سے
حکیم مومن خان مومن

گزشتہ روز، پیپلز پارٹی کی قیادت کا یہ بیان کہ بنگلہ دیش نہیں بننے دینگے۔ جگر چیر کر رکھ گیا۔ ملکی سیاست کے سب سے کرپٹ لیڈر کی سوچ پر فسوں ہے۔ یہ بنگلہ دیش والی بات کہاں سے لے آئے۔ ملکی سالمیت کے خلاف سوچ کو جاگ لگانے کی کوشش کیونکر۔ کون مائی کا لال، پاکستان کے ٹکڑے کرنے کی جرات کرسکتا ہے۔ معاملہ تو صرف آپکی، آپکے حواریوں اور خاندان کی خوفناک حد تک کمائی ہوئی ناجائز دولت کا ہے۔ جواب یہ کہ بنگلہ دیش نہیں بننے دینگے۔ عرض ہے کہ ملک کی سالمیت کو محفوظ رکھنے والے، آپ سے بہتر، توانا اور مضبوط ہیں۔ فکر نہ کیجئے۔ وہ اپنا مثبت کام کرنے میں مصروف ہیں۔ خاموشی سے اور استحکام سے۔ حضرت، آپ نے ملک کو بنگلہ دیش بننے سے کیا روکنا ہے۔ آپ تو صرف اپنی دولت کے مجسمے کی حفاظت کیلئے برہنہ پا رقصاں ہیں۔ پھر فرمانا۔ سب دباؤ، اٹھارویں ترمیم کو ختم کرنے کا ہے۔ ذرا یہ بھی فرما دیجئے، کہ گزشتہ دس برس میں آپ نے اس ترمیم کی آڑ میں کتنے کھرب روپے منتقل فرمائے اور اس میں سے کتنے ہڑپ کر گئے۔ سندھ میں ترقی کا سفر تو دور کی بات، بدترین تنزلی کو ہی روک دیتے تو چلیے کچھ بات بن جاتی۔ آپ تو لاڑکانہ اور نواب شاہ کو موہنجوڈرو بنا چکے ہیں۔ سندھ کا صوبہ، مالیاتی بدعوانی کے تحت غرقاب ہے اور آپ اس سے صرفِ نظر کرکے کبھی اٹھارویں ترمیم کی بات فرماتے ہیں اور کبھی ملک کو تقسیم ہونے سے بچانے کا اعلان کرتے ہیں۔ حضرت، تقسیم تو آپ فرما رہے ہیں۔ جب آپ ہر لمحے کے بعد فرمائش کرتے ہیں کہ ہمارے متعلق تفتیش اور مقدمات، سندھ میں چلنے چاہیے۔ کیوں صاحب، کیا ملکی اداروں کو، صوبوں کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ سندھ کے غریب لوگوں سے تو انصاف نہ کرپائے۔ مالیاتی دہشت گردی کے پکڑے جانے پر اتنا واویلا۔

گر یہ تو اس بات کا ہے کہ ملک تو بن گیا مگر حقیقت میں ملک نہ بن پایا۔ وہی صدیوں سے منجمد قدامت پرستی بھالہ لیکر ہمارے سینوں پر قابض ہے۔ کیا بات کریں۔ کس سے مکالمہ کریں۔ ذرا سی سنجیدہ بات ہو، تو سیکولر ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ سوچے سمجھے بغیر کہ مسلمانوں کی تاریخی ترقی کی بنیاد ہی تجسس، تحقیق اور حد درجہ رواداری تھی۔ اس وقت مسیحی دنیا میں چرچ فیصلہ کرتا تھا کہ کس کو زندہ رہنے کا حق ہے اور کون راندہ درگاہ ہے۔ کون جہنمی ہے اور کون جنتی۔ تو قرطبہ اور بغداد ہی وہ علم سے لبریز شہر تھے، جہاں سوچ کے دروازے کھلے رکھے گئے تھے۔ مشکل سے مشکل بات پر بحث کی اجازت۔ دلیل سے دلیل پر بات۔ جب لندن اور پیرس کی گلیوں میں کیچڑ ہی کیچڑ تھا تو سپین کے شہروں میں صفائی اور روشنی کا بہترین انتظام تھا۔ سوال اُٹھانے پر پابندی نہیں تھی۔ مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرز پر چرچ کا وجود تک نہیں تھا۔ صرف آٹھ صدیاں پہلے کا ذکر ہے۔ مسلمان معاشروں میں روشن خیالی سماجی عالم، محقق اور طرح دار سائنسدان موجود تھے۔ صرف اسلیے کہ معاشرہ زندہ تھا۔ سوچ زندہ تھی۔ مذہب کی لفظی نہیں عملی گرفت تھی۔ مگر پھر وہی ہوا جو باقی دنیا میں پائندہ تھا۔ مغرب نے ہماری سوچ مستعار لیکر ترقی کو جنم دیا۔ لاکھ باتیں کریں، طعنے دیں مگر وہ ہمیں چیونٹی کی طرح مسل گئے۔ پہلے ہم سے علمی دستار واپس لی گئی اور آزادی خود بخود مفقود ہو گئی۔

برصغیر میں مسائل انتہائی مختلف اور عجیب طرز کے روا ہوئے۔ علمی طور پر زوال پذیر مسلم معاشرے میں قدامت پسندی اور کم علمی کو پیہم بڑھاوا دیا گیا۔ دنیا کی عظیم ترین الہامی کتاب کو عربی سے ترکی زبان اور فارسی میں ترجمہ کرنے پر ایسے ایسے فساد برپا کیے گئے کہ مثال نہیں دی جا سکتی۔ وہی رویہ جو اہل مغرب میں پسماندگی کی وجہ تھا۔ بعینہ ہمارے مسلم معاشرے میں برپا کر دیا گیا۔ برصغیر کی تاریخ پڑھیے۔ ہولناک حقائق ہیں۔ صدیوں کے مسلسل اقتدار میں تحقیق اور جدید علوم پر ایک لمحہ کو بھی توجہ نہ دی گئی۔ دولت کے اعتبار سے سلاطین اور مغلوں کا دور کمال رہا مگر کسی ایک نے بھی جدید سوچ کو پروان نہیں چڑھنے دیا۔ مقصد صرف ایک کہ کہیں شخصی بادشاہت ختم نہ ہو جائے۔ ایک طرف خزانے بھرے ہوئے مگر دوسری طرف حرم بھی دنیا بھر کی خوبصورت خواتین سے لبریز۔ جن بادشاہوں کو ہمارے چند لکھاری بڑے ادب و آداب سے مخاطب کرتے ہیں۔ ان میں سماجی، مذہبی اور معاشی انصاف کی رَتی بھر رمق نہیں تھی۔ مغلوں کا آخری دور تو پستی کی انتہا تھی۔ تقریباً ایک صدی مغل بادشاہ، ایسٹ انڈیا کمپنی کے طفیلی تھے۔ مگر عادات اور رہن سہن وہی پرانا۔ محلاتی سازشیں، وہی سینکڑوں خواتین پر مشتمل حرم اور وہی اپنے عصر سے مکمل لاعلمی۔ نتیجہ مختلف نہ ہو پایا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیانے درجہ کے اہلکار ہر وقت انکو بے عزت کرتے رہتے تھے۔ ٹھٹھہ اُڑاتے تھے۔ تضحیک کرتے تھے۔ یہ لوگ ہر ذلت پر صرف اور صرف نمائشی بادشاہ بننے پر بھی خوش تھے۔ سوال اُٹھتا ہے کہ آٹھ سو برس کی حکومت میں برصغیر میں ایک یونیورسٹی، تحقیقی ادارہ اور سائنسی تعلیم کی ایک درسگاہ بھی قائم نہیں کی گئی۔ کیا یہ اَمر بذاتِ خود حیران کر دینے والا نہیں۔ چند لکھاری، برصغیر کی علمی کوتاہیاں چھپانے کے لیے ترکی کی ترقی کا بیان فرماتے ہیں۔ مگر کیا وہ ترکی کے آخری لڑی کے سلاطین کی ذہنی پستی کے متعلق بیان فرمانا پسند کرتے ہیں۔ ترکی کے اکثر حکمرانوں کا دور جدت پسندی سے کافی خائف رہا۔ یہ اَتاترک تھا، جس نے موجودہ ترکی کی تشکیل کی ہے۔ مسلمان ریاستوں میں اگر کسی نے صدیوں کے جمود کو ریاستی قوت کے ساتھ جڑ سے اُکھاڑا ہے تو وہ صرف اور صرف اَتاترک ہیں۔ آپ اَتاترک سے ہزار اختلاف کریں۔ مگر اس نے

مسلم دنیامیں جدید ریاست کی بنیاد رکھی ہے۔ ہر تبدیلی تکلیف دہ ہوتی ہے۔لہذا ترکی میں سماجی، علمی انقلاب بغیر مشکلات کے نہیں آیا۔ پر حیرت کی بات ہے کہ برصغیر میں ایک بھی حکمران ایسا نہیں تھا جو انقلابی نہیں تو معمولی درجہ کی سائنسی تحقیق اور تجسس کو نمو ہونے کی اجازت دیتا۔ان حکمرانوں کا مقصد وہی تھا، مسلسل اور پیہم بادشاہت۔اپنے بعد، اپنی کسی لاڈلی بیگم کی اولاد کو تخت پر بٹھانے کی منصوبہ بندی۔

ستم یہ ہے کہ آج بھی ذہنی رویے بالکل وہی ہیں جو برصغیر کے حکمرانوں کے صدیوں پہلے تھے۔بساط کا رنگ تبدیل ہوگیا مگر طاقت کے کھیل میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی نہیں آئی ۔وہی اولاد کو وزیراعظم یا وزیراعلیٰ بنانے کا جنون۔وہی ذاتی خزانے کو جائز و ناجائز طریقے سے بھرنے کا خبط اور معذرت کے ساتھ، وہی رنگین شوق۔مگر ایک تبدیلی ضرور آئی ہے۔اب انہوں نے لبادہ "جمہوریت " کا اوڑھ لیا ہے۔ہاتھی گھوڑوں کی بجائے اب رولز رائس، مرسیڈیز کار اور لینڈ کروزر آ گئی ہیں۔اُڑن کھٹولا تو نہیں تھا مگر اب جدید پرائیویٹ جیٹ طیارے قطار در قطار موجود ہیں۔شاہی قلعے تو ختم ہوگئے۔مگر سینکڑوں ایکڑ کے گھر آراستہ ہیں۔شاہی خلعتیں تو چلی گئیں مگر کروڑوں روپے کے بیش قیمت ذاتی لوازمات زندگی میں داخل ہوگئے۔کروڑوں روپے کی کلائی گھڑیاں، لاکھوں روپے کے ڈیزائینر بیگ اور جوتے۔ہیرے جواہرات سے مزین بٹن، سب آن بان شان سے موجود ہیں۔صرف لبادہ بدل گیا ہے۔ہاں، ایک اور چیز بھی یکساں ہے۔"درباری"۔صدیوں پہلے کے مستند ترین رویوں کے مالک درباری، آج چہرے، لباس اور نام بدل کر بالکل اسی قدیم طریقے سے موجود ہیں۔کسی کو بھی اپنے لیڈر میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔قیامت ایک اور بھی ہے۔جمہوری بادشاہ تو بدلتے رہتے ہیں۔مگر وہی درباری حد درجہ سفاکی اور کامیابی سے وہیں کے وہیں موجود ہیں۔دربار کے طور طریقوں کے حساب سے متعدد اہل قلم اور اہل علم بھی دربار میں خلعت لینے کھڑے ہیں۔انتظار صرف اور صرف خزانہ کا مونہہ کھلنے کا ہے۔صاحب، وہی قدیم نظام آج بھی ہمیں جکڑے ہوئے ہے۔دنیا تبدیل ہوگئی مگر ہم اپنے آپ کو عصر کی جدت میں نہ ڈھال سکے۔نتیجہ وہی غلامی، وہی قرض، وہی عدم استحکام اور وہی بونے۔

چلیے، کچھ گریہ تو ہوگیا۔مگر سوال تو اپنی جگہ پر ایستادہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔حل کیا ہے۔کونسے راستے پر سفر کیا جائے۔جواب صرف ایک ہے۔معقول اور معتدل ذہنی اور عملی رویہ۔صدیوں کے خوفناک بوجھ کو یکسر ختم کرنا ناممکن ہے۔مگر مصیبت یہ ہے کہ ترقی کے سفر کا آغاز قومیں اپنے کندھوں سے سابقہ بوجھ اُتار کر شروع کرتی ہیں۔چین، ویت نام، ساؤتھ کوریا ہمارے سامنے حال ہی میں صفِ اول کے ملک بنے ہیں۔ہم کیوں ترقی نہیں کر سکتے۔اپنی معاشرے کی روایات کو ساتھ لیکر تحقیق، جدت، علم، سائنس کی دنیا میں سفر کرنا ضروری ہے۔رویوں کو بدلنے کیلیئے معاشروں کو صنعتی انقلاب سے روشناس کروانا امرت دھارا ثابت ہوا ہے۔ویت نام جیسے تباہ حال ملک نے اپنی ترقی کی بنیاد مضبوط معشیت پر رکھی ہے۔یہی صورتحال چین اور دوسرے ملکوں کی ہے۔

مگر یہاں تو معاملہ ہی انتہائی عجیب نوعیت کا ہے۔قومی لیڈر ناجائز دولت کو محفوظ رکھنے کیلیئے ہر اَبتر کام کرنے کو تیار ہیں۔اپنے مالی مفادات کے تحفظ کیلیئے ملک کی سالمیت کے متعلق بھی منفی سوچ کو بڑھاوا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔کوئی گریٹر پنجاب کی لایعنی باتیں

کرتا رہا تو کوئی سندھ کے صوبائی تعصب کو ہوا دینے میں مصروف کار۔ مگر کوئی بھی جمود کے شکار معاشرے میں فکری تبدیلی کی بات نہیں کرتا۔ المیہ آج بھی یہ ہے اور صدیوں پہلے بھی یہی تھا!

راؤ منظر حیات